اقتدار: عوامی عقل کا تسلسل

تحریر: سہیل احمد لون

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر نوزائیدہ پاکستان بھی تمام شعبہ ہائے زندگی میں teething problems سے گزر رہا تھا۔ اس وقت سب سے مثبت چیز یہ تھی کہ ہمارے پاس بہترین قوم تھی اور المیہ یہ تھا کہ قوم کے معمار قائداعظم داغ مفارقت دے گئے تھے اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس کے بعد ہمیں ایسا لیڈر میسر نہ آیا، اس کے برعکس اگر جرمنی کو دیکھیں تو جنگ عظیم کے بعد تباہ حال جرمنی کے قائداعظم کونراڈ آڈے ناور کو جرمنی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے قدرت اور جرمن قوم نے بھرپور موقع دیا وہ لگاتار پانچ مرتبہ جرمن چانسلر منتخب ہوئے اور ملک کو اتنا مستحکم کر گئے تھے کہ مرنے سے پہلے وہ بہت مطمئن تھے اور ان کے آخری الفاظ یہ تھے کہ "جرمن قوم کے لیے اب آنسو بہانے کے لیے کوئی چیز نہیں رہی"۔ اگر تاریخ کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب تک پاکستان کے نظام کو چلانے والے وہ لوگ رہے جو پاکستان بنانے والوں میں شامل تھے پاکستان تسلسل کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔ اس جنریشن کو پاکستان بنانے کے اغراض و مقاصد کا علم تھا، ان کو احساس تھا کہ پاکستان کتنی قربانیوں کے بعد نصیب ہوا۔ جیسے ہی نظام کے چلانے والے نئی نسل سے آنا شروع ہوئے تو تمام شعبوں میں تسلسل کے ساتھ تنزلی آنا شروع ہوگئی۔ اب حالات یہ ہیں کہ شاید فوج کے علاوہ کوئی ایسا ادارہ نہیں رہا جس پر ہم فخر کر کے یہ کہہ سکیں کہ اس میں بہتری آرہی ہے۔ جب کوئی نظام، ملک کے وسائل کو صحیح استعمال کرنے میں ناکام ہو جائے تو غربت آجاتی ہے اور نظام چلانے کے لیے اہل اور دیانتدار حکمران یا قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں اس بات کی بھی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں نے تحریک انصاف بنائی اور وہ عمران خان کے ساتھ تھے اقتدار کی غلام گردشوں کی بنیادوں میں ہی عمران خان نے تحریک انصاف کا بنیادی ورکر دفن کر دیا اور تحریک انصاف بھی بالکل ویسے ہی لاوارث ہوگئی جیسے پاکستان بنانے والوں کے بعد پاکستان لاوارث ہوا تھا۔

پاکستان میں حکمرانی کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہاں کبھی کسی کو اقتدار کو جھولا مسلسل دوسری مرتبہ جھولنے نہیں دیا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ یہاں تین تین باری لینے والے حکمران بھی موجود ہیں جو چوتھی باری لینے کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے کسی حکمران کو آئینی مدت پوری کرنے کا موقع نہ ملا؟ اگر ان کو بدعنوان اور نااہل کا تمغہ دے کر گھر بھیج دیا گیا تو وہ دوسری یا تیسری مرتبہ اقتدار میں کیوں آ گئے؟ دوسری طرف آمرانہ سکندری، ایوبی، ضیاعی اور پرویزی ادوار پر نظر دوڑائیں تو وہ اقتدار کا جھولا اس وقت تک جھولتے رہے جب تک وہ "رج" نا گئے۔ کسی بھی نظام چلانے کے لیے قائد کو اگر ذمہ داری اور اختیارات میں توازن اور مخصوص وقت نہ دیا جائے تو وہ کبھی بہتر نتائج نہیں لا سکتا۔ وزیراعظم عمران خان کی کرکٹ میں کامیاب کپتان ہونے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک لمبا عرصہ کپتان رہے، ان کے پاس ذمہ داری کے ساتھ ٹیم بنانے کے علاوہ دیگر انتظامی معاملات میں بھی مکمل اختیارات دیئے گئے تھے جس کا نتیجہ عالمی کپ جیتنے اور ایک مضبوط ٹیم کی شکل میں سامنے آیا، ان کی بنائی ہوئی ٹیم دس بارہ برس کرکٹ میں راج کرتی رہی۔ 1992ء کے بعد تادم تحریر پاکستانی ٹیم نے اٹھارہ کھلاڑیوں کو کپتان بنایا، چوبیس مرتبہ ٹیم کا کپتان بدلا، یہاں بھی ملکی

سیاست کی طرح ایک کھلاڑی کو ایک سے زائد مرتبہ کپتان بھی بنایا گیا۔ آسٹریلیا کی ٹیم کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہاں ہر سیزن میں کپتان نہیں بدلا جاتا، 1992ء سے آج تک صرف آٹھ کپتان آئے ہیں شاید ابھی تک ساتواں کپتان سٹیو سمتھ ہی ہوتا اگر اس پر بال ٹمپرنگ میں معاونت کے چارجز نہ لگتے، بھارتی سابق کپتان دھونی بھی اسی لیے تمام ٹائٹل جیتنے والے کپتان بنے کیونکہ ان کو بھی ایک لمبے عرصے کے لیے کپتانی ملی اور ساتھ مکمل اختیارات۔ اگر ہم بیمار پڑ جائیں تو روز ڈاکٹر بدلنے سے بیماری جلدی دور نہیں ہوتی بلکہ ممکن ہے کہ کئی پیچیدگیاں پیدا ہونا شروع ہو جائیں۔ اچھا جوکی بھی ریس جیتنے کے لیے روزانہ گھوڑا تبدیل نہیں کرتا بلکہ ایک مخصوص گھوڑے پر سوار ہو کر پریکٹس کرتا ہے، البتہ اگر ریس میں گھوڑا اچھے نتائج نہ دے تو اگلی ریس کے لیے دوسرے گھوڑے کا انتخاب کر کے اس پر نئے سرے سے تیاری کرتا ہے۔ یہ کبھی نہیں کرتا کہ دو گھوڑوں کو باری باری بدل کر ہارتا بھی رہے اور کسی تیسرے گھوڑے کا انتخاب نا کرے۔ یہی فارمولہ سیاست میں بھی اپلائی ہوتا ہے کہ جو ایک مرتبہ ڈیلیور کرنے میں ناکام رہے اسے بار بار آزمانا دانش مندانہ فعل نہیں۔ ترقی یافتہ جمہوری ملکوں میں اگر کسی سے اقتدار چھن جائے تو اسے دوبارہ موقع نہیں ملتا۔

اگر دنیا کے جمہوری ممالک کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے جرمنی کی مثال لیتے ہیں جو دوسری جنگ عظیم کے بعد کھنڈر بن چکا تھا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جرمنی آج معاشی، اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط ملک بن چکا ہے اور تقریباً اتنے برسوں میں ہم اپنے تمام اداروں کا بیڑہ غرق کر چکے ہیں؟ دوسری جنگ عظیم کے بعد سات دہائیوں میں جرمنی کے صرف 8 چانسلرز ملک کا نظام چلانے آئے۔ ان میں سے صرف ایک چانسلر Kurt Georg Kiesinger ایسے ہیں جن کو صرف ایک مرتبہ اقتدار نصیب ہوا۔ اس کے علاوہ تمام چانسلرز ایک سے زائد مرتبہ منتخب ہوئے اور لگاتار حکمرانی کا تاج سر پر سجایا۔ یعنی جو حکمران اگر ایک مرتبہ اقتدار گنوا بیٹھا دوبارہ اسے عوام نے کبھی منتخب نہیں کیا۔ جنگ عظیم کے بعد جرمنی کے قائد اعظم Konrad Adenauer نے نئی سیاسی جماعت CDU تشکیل دے کر پہلا جرمن چانسلر بننے کا اعزاز حاصل کیا اور لگاتار پانچ مرتبہ (1949-1963) جرمنی کے چانسلر منتخب ہوئے اور 87 برس کی عمر تک ملک کی باگ ڈور سنبھالے رکھی اس کے بعد سیاست سے ریٹائیرڈ ہو گئے۔ حیران کن طور پر ان کے جانے کے بعد انکی سیاسی جماعت کی قیادت خاندان کے کسی فرد کے حصے میں نہ آئی بلکہ آج تک ان کے خاندان کا کوئی بندہ CDU میں کسی عہدے پر بھی نظر نہ آیا۔ جرمنی کے دوسرے چانسلر Ludwig Erhard دو مرتبہ لگاتار منتخب ہوئے۔ تیسرے چانسلر Kurt Georg Kiesinger تھے جو صرف ایک مرتبہ باری لے سکے اس کے بعد جرمن قوم نے ان کو کبھی موقع نہ دیا۔ چوتھے چانسلر Willy Brandt بھی لگاتار دو مرتبہ منتخب ہوئے۔ اس کے بعد 9 دن کے لیے Walter Scheel عبوری چانسلر بھی بنے۔ جرمنی کے پانچویں چانسلر Helmut Schmidt بھی لگاتار تین مرتبہ منتخب ہوئے۔ اس کے بعد Helmut Kohl جرمنی کے چھٹے چانسلر بنے اور Konrad Adenauer کی طرح وہ بھی مسلسل پانچ مرتبہ اقتدار کے جھولے پر بیٹھنے کا ریکارڈ بنا گئے۔ Gerhard Schröder کو جرمنی کے ساتویں چانسلر بننے کا اعزاز حاصل ہے اور وہ بھی حسب روایت لگاتار دو مرتبہ منتخب ہوئے۔ جرمنی کی آٹھویں اور موجودہ چانسلر Angela Merkel پہلی خاتون چانسلر ہیں، وہ بھی مسلسل چار مرتبہ انتخابات جیت کر آئرن لیڈی بن چکی ہیں۔ اگر مادر جمہوریت برطانیہ کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیں تو اس میں بھی جرمنی

کی طرح اقتدار میں تسلسل نظر آتا ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ میں پندرہ سیاسی قائدین کو وزیر اعظم بننا نصیب ہوا۔Winston Churchill اور Harold Wilson ایسے وزرائے اعظم تھے جو چار چار مرتبہ منتخب ہوئے مگر لگاتار چار مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ منتخب ہونے کے بعد اقتدار کسی اور کو منتقل ہوا اس کے بعد دوسری مرتبہ دو دو بار مسلسل منتخب ہوئے۔ Clement Attlee مسلسل دو مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم بنے، Harold Macmillan لگاتار دو مرتبہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھے، آئرن لیڈی Margaret Thatcher مسلسل تین مرتبہ منتخب ہوئیں، John Major لگاتار دو مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم بنے، Tony Blair تین مرتبہ مسلسل وزیر اعظم بنے، David Cameron، Theresa May اور Boris Johnson بھی لگاتار دو دو مرتبہ اقتدار کا مزہ لے چکے ہیں۔جبکہ Sir Anthony Eden، Sir Alec Douglas-Home، Edward Heath، James Callaghan اور Gordon Brown ایک ایک مرتبہ برطانوی وزیر اعظم بنے۔جرمنی اور برطانیہ کی طرح امریکہ میں بھی اقتدار کا ایک مخصوص تسلسل دیکھا جاسکتا ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد اگر امریکہ کی سیاسی تاریخ دیکھیں تو وہاں تا حال تیرہ صدور بدلے گئے۔ان میں Kennedy، Lyndon Johnson، Richard Nixon، Gerald Ford، Jimmy Carter، اور George H. W. Bush ایک ایک مرتبہ امریکی صدر بنے جبکہ Harry S. Truman، Eisenhower، Ronald Reagan، Bill Clinton، George W. Bush، اور Barack Obama لگاتار دو دو مرتبہ امریکی صدور منتخب ہوئے (تیسری باری لینے کی رسم امریکہ میں نہیں) جبکہ Donald Trump اپنی پہلی باری لے رہے ہیں۔امریکہ میں بھی جرمنی کی طرح یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی سے اقتدار کی کرسی ایک مرتبہ چھن جائے تو عوام اسے دوبارہ موقع دے بلکہ عمومی طور پر انتخابات ہارنے کے بعد سیاسی جماعت کی قیادت چھوڑنے کی اخلاقی جرات کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں اور اپنی شکست تسلیم کر کے جیتنے والے کو مبارک باد بھی دیتے ہیں۔ترقی یافتہ جمہوری ملکوں میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی حکمران کو بدعنوانی کے الزام میں اقتدار سے محروم کیا جائے اور وہ دوبارہ اقتدار کے باندر کلے کی رسی تھامنے آجائے۔اگر کسی ملک کی حکومت مستحکم نہیں ہوتی تو بین الاقوامی طور پر اس کی ساکھ پر سوالیہ نشان ہوتا ہے اور اس کی معاشی اور اقتصادی حالت بھی کمزور ہوتی ہے۔عوام کو بھی شخصیت پرستی کے طلسم سے باہر نکل کر ملک کی بہتری کے لیے قوم بن کر سوچنا اور عمل کرنا ہوگا۔اگر کوئی اقتدار میں آتا ہے تو اسے ٹرم پوری کرنے کا موقع دیں، اگر وہ عوامی امنگوں پر پورا نہیں اترتا تو اس کو دوبارہ کبھی اقتدار میں آنے کا موقع نہ دیں۔اگر کوئی ملک وقوم کے لیے بہتر کام کرتا ہے تو لگاتار دوسری مرتبہ منتخب کرنے یا ”کروانے“ میں کوئی حرج نہیں اقتدار میں تسلسل مثبت تبدیلی لاتا ہے اور اقتدار در اصل عوامی عقل کا تسلسل ہوتا ہے جب ہم عوامی عقل کے متضاد یا متصادم کوئی عمل کرتے ہیں تو قوم میں مایوسی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو اقتدار کے مثبت تسلسل کو بھی نیست و نابود کر کے رکھ دیتی ہے۔